مجھے وہاں لے جانے سے انکار کر دیا۔ میں خود اس کھنڈر کی طرف چل پڑا۔ برسات کی وجہ سے گھاس اور جھاڑیاں کمر تک بڑھ گئی تھیں اور راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ تاہم میں اپنے کپڑے سمیٹتا اور بچاتا ہوا اس کھنڈر تک پہنچ گیا۔ ایک طرف سے دیوار کی اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں اور میں اُن کے سہارے اوپر چڑھ گیا۔ اوپر جاکر معلوم ہوا کہ وہ مسجد ہے۔ میں دیوار پر چلتے چلتے دوسری جانب گیا تو شیخ فرید کا مزار نظر آگیا۔ ذرا فاصلہ پر ایک شخص جھاڑیاں کاٹ رہا تھا۔ میں نے اُسے آواز دے کر نیچے آنے کا راستہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک طرف کو زینہ موجود ہے۔ میں زینہ کے راستے نیچے آیا اور مسجد سے نکل کر اس سے ملحق ایک قبرستان کی چاردیواری میں داخل ہوا۔ وہاں جھاڑیاں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اس لیے بادل نخواستہ میں پختہ قبروں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا شیخ فرید کے مزار تک پہنچا۔ قبر کا تعویذ لوہے کے مضبوط جنگلے کے اندر ہے اور تعویذ کے سرہانے قدآدم لوح نصب ہے۔ اس لوح پر عبارت کندہ ہونے کی بجائے EMBOSS (ابھروں حروف) ہے۔ یہ عبارت پڑھنے کے لیے مجھے جنگلہ پھلانگنا پڑا اور تعویذ پر کھڑا ہونا پڑا۔ میں نے شیخ فرید کے لیے دعائے مغفرت کی اور ان کی روح سے اس گستاخی کی معافی مانگی۔ لوح کی عبارت درج ذیل ہے:

یا اللہ

سبحان الملک الحی الذی لایموت ولا یفوت در زمان دولت حضرت
عرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ غازی شیخ فرید الدین ابن
سید احمد بخاری بعنایات آنحضرت ممتاز بود و در عہد عدالت نورالدین
جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضیٰ خانی سرفراز گردید
بتاریخ ۹ سنہ جلوس مطابق ۱۰۲۵ ہجری برحمت الٰہی
پیوست۔

مرتضیٰ خاں چو بحق واصل شد گشت اقلیم بقا مفتوحش
بہر تاریخ ملائک گفتند باد پُر نور الٰہی روحش ۱۲۶

میں جنگلہ پھلانگ کر اندر تو داخل ہو گیا لیکن باہر نکلنا دشوار ہو گیا قریبی قبر جس پر چڑھ کر میں اندر داخل ہوا تھا، پھلانگ لگانے کے لیے مناسب نہ تھی۔ ارد گرد بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں۔ میری بوشرٹ جنگلے کی نوکوں میں الجھ رہی تھی۔ خدا خدا کر کے میں جنگلے سے باہر نکلا۔

اس قبرستان میں ایک دیوار پر محکمہ آثار قدیمہ کا بورڈ آویزاں ہے اور بظاہر یہ جگہ محفوظ ہے لیکن درحقیقت اس سے زیادہ غیر محفوظ اور غلیظ اور کوئی جگہ میں نے دہلی میں نہیں دیکھی۔ ٹیوب ویل کے ملازمین ساداتِ کرام کے اس خاندانی قبرستان کو بیت الخلا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ زمین پر چونکہ جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں اس لیے انھیں پختہ قبروں پر بیٹھ کر رفع حاجت میں آسانی رہتی ہے۔ مغلیہ حکومت کے رکن رکین کے مزار اور ساداتِ کرام کے اس تاریخی قبرستان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے رنج ہوا۔ جس شخص کے دم قدم سے کئی خانقاہوں اور مزاروں کی رونق قائم تھی اس کی اپنی قبر کس خستہ حالت میں ہے۔
راقم الحروف نے پروفیسر خلیق احمد نظامی اور سید برکات احمد سے یہ درخواست کی وہ حکیم عبدالحمید صاحب، چیرمین ہمدرد فاؤنڈیشن دہلی کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں اور موصوف اپنے اثر و رسوخ سے اس تاریخی یادگار کی کما حقہٗ حفاظت کا انتظام کرائیں۔

۱۲۶ شیخ محمد اکرام نے رودِ کوثر میں شیخ فرید بخاری کے مزار کا کتبہ نقل کیا ہے۔ مرحوم فرید الدین اور سید احمد بخاری کے درمیان "ابن" حذف کر گئے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے اکبر بادشاہ کو اکبر بادشا بنا دیا ہے۔ لوحِ مزار پر مرتضیٰ یائے معروف کے ساتھ ہے، انھوں نے یائے مجہول کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اسی طرح "خاں" کو انھوں نے "خان" لکھا ہے۔ مزید برآں موصوف نے "چو" کو "چون" بنا دیا ہے۔
ملاحظہ ہو: رودِ کوثر، ص ۱۸۹۔

مجاہد آزادی

مولانا احمد اللہ شاہ فاروقی گوپاموی

جناب محمد صلاح الدین عمری متعلم ایم۔اے عربی علیگڑھ یونیورسٹی۔

مجاہد آزادی مولانا احمد اللہ شاہ فاروقی دلاور جنگ سے متعلق محترم ہدایت الرحمن صاحب محسنی کا ایک مقالہ مارچ دسمبر کے برہان میں نظر سے گذرا۔ مولانا احمد اللہ شاہ شہید پر تحریک آزادی کی صد سالہ برسی ۱۹۵۷ء کے موقع پر اور اس کے بعد اخبارات ورسائل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن علاوہ چند مشہور جنگی واقعات کے ان سب مضامین ومقالات کا مواد کا ماخذ یا تو سنی سنائی باتوں اور زیادہ سے زیادہ غیر ملکی انگریز مصنفین کی تصانیف پر منحصر ہیں۔ خصوصاً مولانا شہید کے خاندان، وطن، دیگر متعلقین کے بارے میں مصنفین، مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں میں اتنا اختلاف ہے کہ کسی بھی نتیجہ پر پہنچنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ کسی نے انگریز مصنفین [illegible] فیض آبادی" کے نام سے یاد کیا ہے کسی [illegible] سمجھ بیٹھے ان کو سلطان ٹیپو کی اولاد [illegible] نے شاہ گولکنڈہ (دکن) سید ابوالحسن [illegible] اور کسی نے نواب محمد علی مدراس کا پوتا لکھ [illegible] قرار دیا۔

[illegible] نقوش آزادی نمبر ۱۹۵۵ء میں [illegible] ٹیپو سلطان کی اولاد بتایا۔ جس کی حقیقت

والا جاہ اول نے سلطان حیدرعلی سے دوستی کی بنا پر اپنے دوسرے بیٹے نواب غلام حسن حسام الملک بہادر کا عرف ٹیپو سلطان کے نام پر ٹیپو بادشاہ رکھا تھا اور مضمون نگار نے مولانا احمد اللہ شاہ کے چچا ٹیپو بادشاہ کو ٹیپو سلطان سمجھ کر اس کی اولاد لکھ دیا۔

مصنف طلوع سحر (مطبوعہ الہ آباد ۱۹۵۷ء) نے لکھا ہے کہ نواب چینا پٹن (میسور) نواب والا جاہ بہادر اول سید محمد علی نبیرۂ سید ابوالحسن تانا شاہ کے خاندان سے شاہ احمد اللہ کا تعلق تھا۔ بھارت میں انگریزی راج کے مصنف نے لکھا ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہ فیض آباد کے تعلقہ داروں میں سے تھے۔

طلوع سحر کے ہی مصنف نے ماہنامہ فروغ اردو لکھنؤ میں ایک مضمون "روزنامچہ قیصرنامہ فارسی" (جو بقول ان کے نواب سلطان جہاں بیگم قیصر، لکھنؤ کا روزنامچہ ہے) لکھا ہے۔ جو اس روزنامچہ کا اردو میں ترجمہ ہے، جس کا ایک ٹکڑا ہے کہ "نواب احمد نگر مدراسی کے صاحبزادہ شاہ احمد اللہ دلاور جنگ جو بلند پایہ خاندان سے منسلک تھے" اس اقتباس سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آیا احمد نگر کسی انسان کا نام تھا یا کوئی مدراسی بزرگ احمد نگر (مہاراشٹر کے کسی مقام) میں نواب تھے۔

لیکن ۱۸ راگست ۱۹۶۳ء کو مرحوم شیخ تصدق حسین صاحب ایڈوکیٹ، لکھنؤ نے اپنا ایک مقالہ جنگ آزادی کے مجاہد احمد اللہ شاہ" کے عنوان سے بحوالہ اخبار الشم زنگی محل لکھنؤ (مارچ ۱۸۵۷ء) ریڈیو اسٹیشن لکھنؤ سے نشر کرتے ہوئے کہا کہ "ان کے پردادا نواب سید انورالدین خاں بہادر شہامت جنگ تھے جو ابتداءً قصبہ گوپامئو ضلع ہردوئی کے باشندے تھے۔ جن کے بیٹے محمد علی خاں والا جاہ ارکاٹ تھے۔ آخر الذکر کے لخت جگر عمدۃ الامرا رغلام حسین خاں نواب چینا پٹن مدراس تھے۔ جن کے نور نظر دلاور جنگ تھے جن کا اصل نام احمد علی تھا۔" احمد علی دلاور جنگ ہی کو ان کے پیرومرشد کی طرف سے احمد اللہ شاہ کا لقب عطا ہوا۔

چونکہ مولانا احمد اللہ شاہ شہید کی جہادی تحریک کا آغاز فیض آباد سے ہوا۔ اسی فیض آبادی تحریک کی بنا پر سب سے پہلے کرنل میلسن نے انھیں مولوی فیض آبادی کو ہدفِ ملامت بناتے ہوئے باغی کے خطاب سے نوازا۔ اس کے بعد تقریباً ہر مضمون نگار اور مقالہ نویس نے ہی ان کو فیض آبادی بھی لکھا اور باغی بھی۔ البتہ شیخ تصدق حسین صاحب نے سب سے پہلے اپنی تحقیقی کاوش سے اپنے مقالہ میں یہ لکھ کر پردہ فاش کیا کہ نہ تو وہ فیض آبادی تھے اور نہ باغی بلکہ وہ ایک نواب زادے اور درویش صفت مجاہد تھے جو قصبہ گوپامئو کے مشہور و معروف فاروقی خاندان کے ایک فرد تھے۔

اس کے بعد مولانا محمد ابرار حسین فاروقی گوپاموی نے انتہائی کاوش و جستجو کے بعد اپنی معرکۃ الآراء کتاب "مآثر دلاوری" لکھی، جس کا محرک دراصل شیخ صاحب کا یہی مقالہ تھا۔ اس مقالہ کو سننے کے بعد مولانا کو احمد اللہ شاہ کی سوانح لکھنے کا خیال پیدا ہوا، حسن اتفاق سے مولانا کو انتہائی تلاش و جستجو اور تگ و دو کے بعد ایک مثنوی "تواریخ احمدی" ہاتھ لگ گئی جس کے مصنف مولانا فتح محمد تائب لکھنوی ہیں۔

مولانا فتح محمد تائب لکھنوی، مولانا احمد اللہ شاہ شہید کے ایک پرجوش معتقد اور مرید تھے۔ انھیں کی تصنیف کردہ یہ مثنوی تواریخ احمدی ۱۹۳۵ء میں مطبع تیغ بہادر میں طبع ہوئی۔ مرشد کی شہادت کے بعد ان کو اپنے مرشد کی ان عظیم معرکہ آرائیوں کو قلمبند کرنے کا خیال آیا جو انھوں نے پہلی جنگ عظیم ۱۸۵۷ء میں انجام دی تھیں لیکن چونکہ فن شعر گوئی میں دسترس حاصل نہیں تھی اس لیے پہلے لکھنؤ کے کسی استاد سے غزل گوئی میں مہارت حاصل کی۔ خیال یہ ہے کہ مصحفی، یا ناسخ یا آتش کے شاگردوں میں سے کوئی استاد رہا ہوگا۔ غزل گوئی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد خواب میں مرشد کی اجازت سے یہ مثنوی لکھنی شروع کی جو ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوگئی۔ مولانا فتح محمد کو تخلص تائب بھی خواب میں مرشد نے عطا کیا تھا۔ ۵

گناہوں کی خجلت سے تھا آب آب		عنایت کیا مجھ کو تائب خطاب

اس مثنوی کی خصوصیات میں اولین خوبی یہ ہے کہ اس میں واقعات کی روایت و درایت کا لحاظ ایک ذمہ دار مؤرخ کی حیثیت سے رکھا گیا ہے۔ غیر معتبر روایات کو قطعاً رد کر دیا ہے۔ اسناد و واقعات کے سلسلہ میں مولانا تائب خدا کو گواہ بنا کر لکھتے ہیں [۱]

میرے قول کا شاہد اللہ ہے		عیاں اور نہاں سے جو آگاہ ہے

کہ حرف دروغ اس میں کوئی نہیں		مجھے عادت ہرزہ گوئی نہیں

کیا ہے حذر اختلافات سے		عجائب سے صنف روایات سے

وہ بے اصل باتیں جو افواہ ہیں		بہت عقل سے دور واللہ ہیں

پوری مثنوی حقیقت نگاری کی ایک بہترین مثال ہے۔ مثنوی تواریخ احمدی کو اگر سوانح مولانا احمد اللہ شاہ کہا جائے تو بے نہ ہوگا۔ تاریخ احمدی اس کا تاریخی نام ہے

"تواریخ" ہو "احمدی" سے جو ضم		نکل آئے تاریخ و سال رقم [۲]

تواریخ احمدی کے اعداد (۱۲۸۰) ہوتے ہیں جو تصنیف کا آخری سال ہے۔

ابتداء میں مولانا تائب کا نام فتح بہادر اور ان کے بھائی کا نام تیغ بہادر تھا۔ (انھیں کے نام پر مطبع تیغ بہادر تھا جس میں یہ مثنوی طبع ہوئی) ان کے والد کا نام راجہ دین دیال بہادر تھا جو ضلع بارہ بنکی کے تعلقہ دار تھے۔ فتح بہادر اور تیغ بہادر ان کی مسلمان بیگم سے تھے جو مسلمان ہی رہے۔ فتح بہادر بعد میں فتح محمد ہو گئے اور حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے ممتاز شاگردوں میں رہے اس کے بعد دوسرے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ سلسلۂ طریقت میں پہلے حضرت مولانا احمد اللہ شاہ شہید اور پھر سید قربان علی شاہ جے پوری جو احمد اللہ شاہ کے مرشد اول تھے، سے استفادہ کیا۔ مولانا احمد اللہ شاہ کی شہادت

---

[۱] مثنوی تواریخ احمدی۔ [۲] مثنوی تواریخ احمدی۔

کے بعد مثنوی تصنیف فرمائی اور حضرت سید قربان علی شاہ کی خدمت میں پیش فرما کر رائے کے طالب ہوئے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ "مثنوی پیش کر کے جب اظہار رائے کے لیے عرض کیا تو حضرت سید قربان علی شاہ نے اشارہ فرمایا، ــــ یہ مثنوی جس کے اعدا قلم آسانی ہے، حرف درست اور حق ہے۔ وغیرہ وغیرہ"[1]

مولانا محمد ابرار حسین فاروقی کی تصنیف مآثر دلاوری کے مآخذوں میں شیخ تصدق حسین صاحب کے مقالہ کے ساتھ ساتھ جو اس تصنیف کا محرک ہوا، مثنوی توارخ احمدی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

مولانا فاروقی اپنی کتاب ماثر دلاوری میں لکھتے ہیں کہ[2] "غرض کہ حضرت محترم شیخ تصدق حسین صاحب موصوف کے نشر شدہ مقالہ نے میرے لیے تحقیق کا دروازہ کھول دیا ورنہ میں بھی نام نہاد مصنفین کی تصانیف اور مقالہ نویسوں کے مضامین سے کافی متا ہو چکا تھا" آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "میرے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ محمد مسیع صاحب نے ایک بار اپنے بچپن کا یہ واقعہ ضمناً بیان فرمایا تھا کہ:

"احمد اللہ شاہ مدراسی معہ اپنی جمعیت کے یہاں (گوپامئو) آئے تھے"

مولانا تائب، حضرت احمد اللہ کے تفصیلی نسب سے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ[3]

نسب نامہ سرور پاک دیں ــــ یہ تفصیل مجھ کو معلوم نہیں

آگے چل کر لکھتے ہیں:

قرابت انھیں تھی بلا اشتباہ ــــ سوئے سید نورالحسن طعنہ (نانا) شاہ

اس قرابت کی تفصیل قاضی مصطفیٰ علی خاں بہادر فاروقی گوپاموی نے اپنی

۱؎ مثنوی توارخ احمدی۔ ۲؎ مآثر دلاوری ۳؎ مثنوی توارخ احمدی۔